خورشید رضوی کی عربی شاعری

تعارفی و تجزیاتی مطالعہ

عبد القدیر ۞

موضوع کا تعارف

خورشید رضوی اردو زبان وادب کا ایک معتبر نام ہیں، آپ اردو کے بلند پایہ ادیب، غزل گو شاعر، بے مثل مترجم، کامیاب خاکہ نگار اور ژرف نگاہ محقق ہیں، لیکن ان کی اصل شناخت عربی زبان وادب ہے۔ آپ عربی زبان وادب کے بے بدل عالم، ممتاز ادیب، وسیع النظر محقق اور ہر دل عزیز استاد ہیں۔(۱)

انھوں نے اردو، پنجابی، فارسی، انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی زبان میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ زیر نظر تحریر میں ان کی اب تک کی عربی شاعری کو اکٹھا کیا گیا ہے اور اس کا مفہوم اردو میں پیش کیا گیا ہے۔ ذیل میں دیے گئے اشعار و منظومات میں سے بیش تر ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں اور اُن کی منتشر یادداشتوں سے لیے گئے ہیں جب کہ بعض منظومات گذشتہ نصف صدی پر محیط زمانے میں مختلف مجلات میں مختلف اوقات میں چھپیں۔

یہ مقالہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں اختصار کے ساتھ ان کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، جب کہ دوسرے حصے میں ان کی عربی شاعری زیر بحث لائی گئی ہے۔

حالات زندگی

خورشید رضوی منگل، ۱۹ر مئی ۱۹۴۲ء / ۴ر جمادی الاولی ۱۳۶۱ھ کو یو۔پی، ہندوستان کے معروف شہر امروہہ میں پیدا ہوئے۔(۲) ابھی چار برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کی وفات کے بعد ان کی

۞ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ عربی، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔(qadeer.arabic@pu.edu.pk)

۱- ڈاکٹر خورشید رضوی کی عربی ادب میں خدمات کو جاننے کے لیے دیکھیے: حافظ عبد القدیر، "الدكتور خورشيد الحسن رضوي: رائد الأدب العربي في باكستان" مشمولہ: انعام الحق غازی ودیگر، **اللغة العربية في باكستان** (ریاض: مركز الملك عبد الله بن عبد العزيز الدولي لخدمة اللغة العربية، ۲۰۱۷ء)، ۲۶۷-۳۰۲۔

۲- خالد ہمایوں، "ڈاکٹر خورشید رضوی" مشمولہ **قومی ڈائجسٹ**، لاہور، ۲۶ :۱ (جنوری ۲۰۰۴ء)، ۱۱۔

پرورش ان کے ننھیال ہی میں ہوئی۔ تقسیم ہند کے بعد یہ خاندان منٹگمری (موجودہ ساہیوال) منتقل ہو گیا اور خورشید صاحب کو یہاں کے اسلامیہ ہائی سکول میں پانچویں جماعت میں داخل کرا دیا گیا۔ چھٹی جماعت سے دسویں تک تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول منٹگمری سے مکمل کی۔ ۱۹۵۵ء میں میٹرک پاس کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج منٹگمری میں داخلہ لیا۔(۳)

یہیں ان کی ملاقات عربی زبان وادب کے مشہور استاد ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق (م ۱۹۸۹ء) سے ہوئی جو اس کالج میں عربی زبان وادب کے استاد تھے۔ صوفی صاحب کی گوہر شناس نگاہ کو اس گوہر آبدار کو پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ انھوں نے خورشید صاحب کو کالج کے ساتھ ساتھ شام کو اپنے گھر میں پڑھانے کا سلسلہ بھی شروع کر دیا اور یوں جب تک وہ منٹگمری میں رہے بلاناغہ خورشید صاحب ان کے ہاں پڑھنے کے لیے جاتے رہے۔(۴)

جب خورشید صاحب سال سوم میں پہنچے تو صوفی صاحب کا تبادلہ گورنمنٹ کالج منٹگمری سے گورنمنٹ کالج لاہور ہو گیا، لیکن استفادے کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ خورشید صاحب ہر روز ایک اردو عبارت کا عربی میں ترجمہ کر کے ڈاک سے صوفی صاحب کو بھجواتے۔ وہ اصلاح کر کے ہر روز اسے واپس ارسال کر دیتے، تا آں کہ خورشید صاحب بی۔ اے کرنے کے بعد لاہور آ کر اورینٹل کالج میں داخل ہو گئے۔ صوفی صاحب اورینٹل کالج میں کلاسیکی شاعری پڑھانے کے لیے تشریف لاتے اور یوں صبح کے وقت کالج میں اور شام کو ان کے گھر جا کر درس لینے کا سلسلہ بھی پھر سے جاری ہو گیا۔(۵)

۱۹۶۲ء میں ایم اے کر لینے کے چند ماہ بعد لیکچرار کی حیثیت سے گورنمنٹ انٹر کالج بہاولپور میں پہلی تعیناتی ہوئی۔ ایک سال بعد ۱۹۶۳ء میں گورنمنٹ کالج سرگودھا میں تعیناتی ہو گئی۔ خورشید صاحب کو سرگودھا کی فضا بہت راس آئی۔ یہیں انھوں نے اپنی عمر عزیز کے بائیس برس گزارے۔ یہیں ان کی شادی ہوئی اور دونوں بیٹے عامر اور عاصم پیدا ہوئے۔ اسی عرصے میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔(۶)

چھ سال کے عرصے کے لیے ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد میں شعبہ تدوین و ترجمہ کی صدارت کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۹۱ء میں بطور صدرِ شعبہء عربی گورنمنٹ کالج لاہور سے منسلک ہو گئے۔ چار

۳- زاہد منیر عامر، **ارمغان خورشید** (لاہور: پنجاب یونی ورسٹی، اشاعت اول، ۲۰۱۵ء)، ۳۹۔۴۵۔

۴- نفس مرجع، ۴۵-۴۷۔

۵- نفس مرجع، ۲۳-۲۴۔

۶- نفس مرجع، ۴۷-۴۸۔

برس شعبے کی صدارت کے بعد ۱۹۹۵ء کے اواخر میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ ۲۰۰۸ء میں جی سی یونی ورسٹی میں بطور ممتاز پروفیسر منتخب کیا گیا۔ آج تک آپ اسی حیثیت سے مصروفِ کار ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے اضافی طور پر اورینٹل کالج لاہور میں ایم اے عربی، شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب میں بی۔اے (آنرز) اور ایم۔فل، نیز فاسٹ(FAST) اور لمز (LUMS) میں عربی زبان کی تدریس کے فرائض بھی انجام دیے۔

عربی شاعری

خورشید صاحب کے اردو میں کئی شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں(۷) اسی طرح انھوں نے بعض عربی نظموں کا اردو میں منظوم ترجمہ بھی کیا ہے(۸) لیکن ان کی عربی شاعری چند نظموں تک محدود ہے۔ شاید اس کا سبب عوام کی عربی زبان سے عدم واقفیت ہے۔ ایک ایسے معاشرہ میں جہاں عربی زبان کو سمجھنے والے گنے چنے افراد ہوں، عربی میں شعر نظم کرنے کی تحریک نہیں ملتی۔ اگرچہ بعض پاکستانی مدارس میں علمانے عربی زبان میں شاعری کی کوشش کی، لیکن وہ زیادہ تر تعلیمی شاعری ہے جس کا بیش تر حصہ دینی موضوعات پر مشتمل ہے۔ جن لوگوں نے رائج شعری فنون میں شاعری کی کوشش کی وہ بہت جلد اس سے اکتا گئے۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ شعرا طبعاً نازک مزاج ہوتے ہیں۔ داد کے طلب گار اور جہاں طلب نہ ہو، وہاں داد کہاں۔

ہم اس مقالے میں ایک نظر خورشید صاحب کی عربی شاعری پر ڈالیں گے جو آزاد اور پابند دونوں صورتوں میں ہے۔ ہم نے اپنی سہولت کی خاطر اس عربی شاعری کو مختلف عناوین کے تحت جمع کیا ہے۔

ابتدائی شاعری

خورشید صاحب کی عربی شاعری کے اولیں نشانات وہ اشعار ہیں جو انھوں نے ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ اپنے زمانۂ طالب علمی میں نظم کیے جب وہ بی اے کے طالب علم تھے۔ انھوں نے یہ اشعار بغرضِ اصلاح اپنے

۷- ان میں سے **شاخِ تنہا**، **سرابوں کے صدف**، **امکاں** اور **رائگاں** کو یکجا کے عنوان کے تحت اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ایک شعری مجموعہ بعنوان **دیریاب** ہے۔

۸- خورشید رضوی کی اردو شاعری میں عربی اور اسلامی اثرات کو جاننے کے لیے پڑھیے: حافظ عبد القدیر، "المفاهيم الإسلامية والعربية في شعر الدكتور خورشيد رضوي" **الأضواء**، ۴۷: ۳۲ (۲۰۱۷)، ۲۵۵-۲۷۶۔

استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر صوفی محمد ضیاء الحق صاحب کو بھجوائے جنھیں پڑھ کر صوفی صاحب بہت خوش ہوئے اور خورشید صاحب کی حوصلہ افزائی کی۔ یہ اشعار ایک نعتیہ نظم کی صورت میں تھے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں کہی گئی تھی۔ خورشید صاحب کے حافظے میں اس نظم کا صرف درج ذیل شعر ہی محفوظ رہ سکا:[۹]

فیا لیتني کنت الأدیم لنعله لکي کان بي یوما علی العرش ماشیا[۱۰]

رفعت خیال ملاحظہ ہو؛ کہتے ہیں: اے کاش میں ان کی پاپوش کا چمڑا ہوتا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پہن کر کسی دن عرش پر چلتے۔

صوفی محمد ضیاء الحق صاحب خود عربی کے بلند پایہ شاعر تھے اور عربی ادبیات پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انھوں نے خورشید صاحب کی شخصیت کی تعمیر میں وہی کردار ادا کیا ہے[۱۱] جو مولوی میر حسن (۱۸۴۴ء- ۱۹۲۹ء) نے علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷ء-۱۹۳۸ء) کی شخصیت سازی میں کیا تھا۔[۱۲]

خورشید صاحب کی عربی شاعری کا ایک حصہ ان کے اُن اشعار پر مشتمل ہے جو انھوں نے اپنے زمانہ طالب علمی میں اپنے مرحوم استاد صوفی صاحب کے ایما پر کہے جب وہ ان سے عربی سیکھنے کے لیے جاتے تھے۔ بسا اوقات استاد اور شاگرد ایک دوسرے سے شاعری کی زبان میں بات کرتے۔ مثلاً ایک بار صوفی صاحب اپنے اس شاگرد کو اپنے گاؤں "کٹھالہ" لے گئے۔ جب کھانے کا وقت ہوا تو دستر خوان پر چاول روٹی اور دوسری اشیاے خوردنی چن دی گئیں۔ استاد نے پوچھا کیا کھاؤ گے؟ شاگرد نے از راہِ تفنن جواب اس شعر کی صورت میں دیا۔

۹- اس شعر کے یاد رہ جانے کا سبب بہ قول خورشید صاحب یہ ہے کہ اس شعر کو ان کے استادِ محترم صوفی صاحب نے بہت پسند فرمایا تھا اور اس کی اصلاح بھی کی تھی۔

۱۰- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۱۱- اس بات کا خورشید صاحب نے ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے: "وہی میرے استاد ہیں جن سے میں نے عربی زبان کی تحصیل کی اور آج میں جو کچھ بھی ہوں انھی کے فیض نگاہ اور تربیت کے سبب ہوں"۔ دیکھیے: خورشید رضوی، **بازدید** (لاہور: القا پبلی کیشنز، اشاعت اول ۲۰۱۷ء)، ۲۹۔

۱۲- شیخ عبد القادر (۱۸۷۴ء-۱۹۵۰ء) نے لکھا ہے: "ان (مولوی سید میر حسن) کی تعلیم کا یہ خاصہ ہے کہ جو کوئی ان سے فارسی یا عربی سیکھے اس کی طبیعت میں اس زبان کا صحیح مذاق پیدا کر دیتے ہیں۔ اقبال کو بھی اپنی ابتداے عمر میں مولوی سید میر حسن سا استاد ملا۔ طبیعت میں علم و ادب سے مناسبت قدرتی طور پر موجود تھی۔ فارسی اور عربی کی تحصیل مولوی صاحب موصوف سے کی۔ سونے پر سہاگا ہو گیا... الخ" اقبال، **کلیات اقبال اردو** (لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۳ء)، ۲۰-۲۱۔

لي رغبة في الأرز فهاته دون خبز[۱۳]

(مجھے تو چاولوں کی خواہش ہے۔ سو روٹی رہنے دیں اور چاول عنایت کیجیے۔)

خورشید صاحب کے عربی کی طرف میلان کو دیکھتے ہوئے صوفی صاحب بعض اوقات شاعری کی صورت میں ان سے پہیلیاں بجھواتے۔ اُن ہی پہیلیوں کے جواب میں خورشید صاحب نے بھی اپنی جانب سے کچھ عربی پہیلیاں شاعری میں بنائیں۔ اُن ہی پہیلیوں میں سے ایک پہیلی درج ذیل تھی۔

صوته للقلب رمح قلبه يحمل رمحا[۱۴]

(اس کی آواز دل میں نیزے کی طرح لگتی ہے۔ اور اس کا "قلب" نیزہ اٹھائے پھرتا ہے۔)

صوفی صاحب نے یہ پہیلی سنی تو فوراً سمجھ گئے کہ اس سے مراد عربی کا لفظ "حمار" (گدھا) ہے کیوں کہ اسی کی آواز کے بارے میں قرآن میں کہا گیا ہے کہ: ﴿إِنَّ أَنكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ﴾[۱۵] (کچھ شک نہیں کہ سب سے بری آواز گدھوں کی ہوتی ہے۔)[۱۶]

لفظ "قلب" کا مطلب الٹ دینا بھی ہے۔[۱۷] اگر لفظ "حمار" کو الٹ دیں تو وہ "رامح" بن جاتا ہے جس کا معنی ہے "حامل الرمح" یعنی نیزہ اٹھانے والا۔

تین حروف پر مشتمل لفظ "فعل" عربی گرائمر میں ایک ایسا سانچہ ہے جس پر تمام عربی الفاظ کو پرکھا جاتا ہے۔ مثلاً اگر لفظ "نصر" کو گرائمر کی روشنی میں تحلیل کرنا ہو تو ہم کہیں گے کہ اس کا حرف فا "نون"، حرف عین "صاد" اور حرف لام "را" ہے۔ گرائمر کے حوالے سے خورشید صاحب کی ایک پہیلی کچھ یوں تھی:

۱۳۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۱۴۔ نفس مرجع۔

۱۵۔ القرآن ۳۱: ۱۹۔

۱۶۔ ترجمہ از مولانا فتح محمد جالندھری۔

۱۷۔ ابن منظور الافریقی (۶۳۰ھ-۷۱۱ھ / ۱۲۳۲ء-۱۳۱۱ء)، **لسان العرب**، تحقیق، یاسر سلیمان ابو شادی و مجدی فتحی السید (قاہرہ: المکتبة التوفيقية، س-ن)، ۲۸۱۔ دل کو بھی عربی میں "قلب" اس کی متلون مزاجی کے سبب کہا جاتا ہے (مرجع سابق، ۲۸۳)۔

عین بزی النون فیھا عجائب　　　إذا صوحبت بالجارتین أتی اسم
فتحریکھا عند القرود یلاحظ　　　وتصحیفھا ذئب وتسکینھا إثم[۱۸]

("نون" کی شکل میں حرف عین میں عجیب و غریب باتیں ہیں جب اسے اس کی دو ہمسائیوں (فا اور لام) کے ساتھ جوڑ دیا جائے تو یہ لفظ اسم کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کی حرکت بندروں کے ہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے اور اس میں ردوبدل کی جائے (یعنی نون کی جگہ کوئی دوسرا حرف لگایا جائے) تو وہ بھیڑیا بن جائے گا اور اس کو ساکن کرنا گناہ ہو گا۔)

صوفی صاحب کو اس پہیلی کو بوجھنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ فوراً بتلا دیا کہ اس لفظ میں "نون" کی ہمسائیاں "ذال" اور "با" ہیں۔ اور یہ لفظ "ذنب" ہے۔ اگر اس لفظ میں "نون" کو حرکت دے دیں اور اس پر زبر پڑھیں (ذَنَبٌ) تو اس کا معنی دُم ہے (جس کی حرکت بندروں کے ہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔ اگر نون کی جگہ ہمزہ لے آئیں (ذِئْبٌ) تو اس کا معنی بھیڑیا ہو جائے گا اور اگر نون کو ساکن کر دیں (ذَنْبٌ) تو اس لفظ کا معنی گناہ ہو گا۔

جیسا کہ اوپر خورشید صاحب کے "حالات زندگی" کے عنوان کے تحت ذکر ہوا کہ صوفی صاحب کا جب ساہیوال سے گورنمنٹ کالج لاہور تبادلہ ہو گیا تو دونوں کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہوا اور خورشید صاحب صوفی صاحب سے مراسلاتی اور فاصلاتی انداز میں استفادہ کرتے رہے۔ دونوں کے مابین خط و کتابت کا یہ سلسلہ خورشید صاحب کی ملازمت کے بعد بھی جاری رہا۔ خورشید صاحب کے سرگودھا میں عرصۂ ملازمت کے دوران میں کچھ عرصے کے لیے صوفی صاحب کسی بات پر ان سے خفا ہو گئے تو انھوں نے اپنے شاگرد کو خطوط خود لکھنے کے بجائے ڈاکٹر محمد ذوالفقار علی رانا (پیدائش: ۲۵ جنوری ۱۹۵۶ء)[۱۹] سے لکھوا کر جواب دینا شروع کر دیے۔ خورشید صاحب ان خطوط کی تحریر کو دیکھ کر بھانپ گئے کہ استادِ گرامی ناراض ہیں۔ چناں چہ ان اشعار کی صورت میں جواب دیا:

جاء الجواب بخط الغیر یخبرني　　　بأنکم عن فؤادي الصب في شغل
لقد ألمت کثیرا من تغیرکم　　　ھذا ولکنه لم ینقطع أملي
کذا الزمان له أطرافه خشن　　　ھذا وأملس ذا، یوما عليّ ولي

۱۸۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۱۹۔ سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج گلبرگ لاہور، موجودہ کنٹرولر امتحانات، امپیریل یونی ورسٹی، لاہور۔

فإن بخلت بملء الكف أرشفه　　　من بحرک الجم أرضی منک بالبلل

عسى الذي يكشف الضراء يرحمني　　　يوما ويصرفكم عن ذا كم الملل[۲۰]

(مجھے غیر کی تحریر میں آپ کا جواب موصول ہوا ہے جو مجھے (بزبانِ حال) بتارہا ہے کہ آپ میرے دل شیفتہ سے بے پروا ہیں۔ مجھے آپ کے مزاج میں اس تبدیلی سے بہت دکھ ہوا ہے، لیکن میری امید ختم نہیں ہوئی ہے۔ زمانہ اسی طرح ہے کہ اس کے مختلف پہلو ہیں۔ یہ سخت تو وہ نرم، ایک دن میرے خلاف تو دوسرے دن میرے حق میں۔ اگر آپ اپنے بحر بے کنار سے چلو بھر پانی دینے میں، جس سے میں اپنے ہونٹ تر کر سکوں، بخل سے کام لیں گے تو میں ذرا سی نمی پر بھی راضی رہوں گا۔ عین ممکن ہے کہ وہ ذات جو تکالیف کو دور کرنے والی ہے، اسے ایک دن مجھ پر رحم آجائے اور وہ آپ کی اس ناراضی کو دور کر دے۔)

حمد

اپنے ایک شعر میں اللہ تعالی سے یوں مخاطب ہوتے ہیں:

يا　من　بلطف　شفائه　صدع　الزجاجة　يلتئم[۲۱]

(اے وہ ذات کہ جس کی شفا کے سبب شیشے کا بال بھی جڑ سکتا ہے (میرے دل شکستہ کا بھی مداوا کر دے۔)

نعت

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے نبی ﷺ کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے انھیں سراپا ہدایت اور سراج منیر (روشن چراغ) کے لقب سے نوازا ہے۔[۲۲] آپ کی انھی صفات کو مختلف عرب شعرا نے اپنے اشعار میں

۲۰- یہ اشعار ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی کی کتاب **شعراء العربية في باكستان** میں بھی موجود ہیں۔ دیکھیے: حامد اشرف ہمدانی، **شعراء العربية في باكستان** (لاہور: جامعہ پنجاب، قسم التاليف والترجمة، ۱۴۳۳ھ/۲۰۱۲ء)، ۵۷۲۔ البتہ ان میں دوسرے شعر میں لفظ "و لكنه" کی بجائے "ولكنني" چھپا ہے۔ اسی طرح تیسرے شعر کے دوسرے مصرع میں "بالبدل" چھپا ہے جب کہ درست "بالبلل" ہے۔

۲۱- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۲۲- القرآن ۳۳: ۴۶۔

مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ خورشید صاحب کے درج ذیل نعتیہ اشعار میں بھی انھی دو صفات کا ذکر ملتا ہے۔

ذكره هاد لقلبي في متاهات حياتي
اسمه يلمع مثل الصـ ـبح بين الظلمات (۲۳)

(آپ کا ذکر میری زندگی کی بھول بھلیوں میں میرے دل کا رہبر ہے۔ آپ کا نام تاریکیوں میں صبح کی مانند دمکتا ہے۔)

اسودت الدنيا وفي ظلماتها اسم النبي يلوح كالنبراس (۲۴)

(دنیا تاریک ہو چکی ہے۔ اور اس کی تاریکیوں میں نبی ﷺ کا نام چراغ کے مانند روشن ہے۔)

غزل

عباسی دور کے مشہور عرب شاعر ابو تمام (۱۸۸۔۲۳۱ھ /۷۸۸۔۸۴۵ء) کا جمع کردہ شعری مجموعہ **دیوان الحماسة** بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ مجموعہ جاہلی، اسلامی، اموی اور ابتدائی عباسی دور کے شعرا کی رنگا رنگ شاعری کا ایسا خوب صورت گل دستہ ہے جسے بعد کے زمانوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں اور اسی کی طرز پر بیسیوں حماسات مرتب کیے گئے۔ (۲۵) اس دیوان کا کچھ حصہ پنجاب یونی ورسٹی میں ایم اے عربی کے نصاب میں شامل ہے۔ یہ دیوان مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔ جن میں سے ایک باب ''باب النسيب'' (غزل) ہے۔ اس میں دو اشعار پر مشتمل ایک قطعہ کچھ یوں ہے:

ونبئت ليلى أرسلت بشفاعة إليّ فهلا نفس ليلى شفيعها
أأكرم من ليلى عليّ فتبتغي به الجاه أم كنت امرءا لا أطيعها (۲۶)

۲۳۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۲۴۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۲۵۔ ان میں سے مشہور: **حماسة البحتري** (۲۰۶ھ–۲۸۴ھ /۸۲۱ء– ۸۹۸ء) **حماسة ابن المرزبان** (وفات:۳۰۹ھ /۹۲۱ء) **حماسة الشنتمري** (وفات: ۴۷۶ھ/۱۰۸۴ء) **حماسة ابن الشجري** (وفات:۵۴۲ھ /۱۱۴۸ء) وغیرہ ہیں، تفصیل کے لیے دیکھیے: خورشید رضوی، **عربی ادب قبل از اسلام** (لاہور: ادارہ اسلامیات، ۱۴۳۱ھ /۲۰۱۰ء)، ۱: ۳۰۴–۳۱۴۔

۲۶۔ ابو تمام، حبیب بن اوس الطائی (۱۸۸ھ –۲۳۱ھ /۷۸۸ء–۸۴۵ء)، **دیوان الحماسة**، شرح، محمد اعزاز علی (لاہور: المیزان ناشران و تاجران کتب، س۔ن)، ۲۳۰۔

(مجھے اطلاع ملی ہے کہ لیلی نے میری طرف کسی کو سفارشی بنا کر بھیجا ہے۔ لیلی خود اپنی سفارشی کیوں نہیں۔ کیا یہ سفارشی میرے ہاں لیلی سے زیادہ معزز ہے کہ اس سے سفارش کروارہی ہے۔یا(وہ یہ سمجھتی ہے کہ) میں ایسا شخص ہوں جو اس کی بات نہیں مانوں گا۔)

یہ اشعار بحر طویل میں ہیں، خورشید صاحب نے زمانۂ طالب علمی ہی میں اس غزل کی نقل بحر طویل میں ان اشعار کی صورت میں کی۔[۲۷]

أنادي بآثار لها حين فارقت　　ليسمعني من آل ليلى سميعها
وعهدي بليلى وهي تغدو ظعينة　　ويرسل طرفا إثر ليلى صريعها
فقد تركتني والها يستتيهني　　توهم أصوات لها، فأطيعها
وأنهر صرم فهي سود فواحم　　وأما الليالي فهي بيض جميعها [۲۸]

(جب لیلی نے جدائی اختیار کی تو میں اس کے پیچھے پیچھے جاکر اسے آواز دینے لگا تاکہ اس کے اہل قبیلہ میں سے کوئی سننے والا میری فریاد سن لے۔ مجھے لیلی کا وہ منظر یاد ہے جب وہ صبح سویرے ہودج میں بیٹھے کوچ کر رہی تھی اور اس کا قتیل اس کے پیچھے پیچھے نگاہ دوڑارہا تھا۔ وہ مجھے سرگشتہ و حیران چھوڑ گئی ہے کہ اس کی آوازوں کا وہم مجھے بھٹکاتا ہے اور میں ان آوازوں پر لبیک کہتا ہوں۔ جدائی کے دن سراسر سیاہ ہیں اور جہاں تک راتوں کا تعلق ہے تو وہ سب رت جگے میں گزرتی ہیں۔)

خورشید رضوی کے ان اشعار میں زمانۂ جاہلیت کی عرب شاعری کا رنگ جھلکتا ہے۔ محبوب کے قبیلے کے کسی جگہ سے کوچ کر جانے کے بعد ان کے باقی ماندہ آثار پر کھڑے ہونا اور محبوب کی باتیں کرنا اس زمانے کے عرب شعرا کا من پسند موضوع تھا۔[۲۹]

۲۷۔ اگرچہ دونوں نظموں کے مفاہیم مختلف ہیں، لیکن دونوں نظموں کا بحر طویل میں ہونا پھر لفظ "ليلى" اور "أطيعها"، اسی طرح روی کا ایک ہونا، اسی طرح ایک نظم میں لفظ "سميعها" اور دوسری میں لفظ "شفيعها" اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس وقت خورشید صاحب کے ذہن پر **ديوان الحماسة** کا اثر بہت گہرا تھا، اور انھوں نے عربی شاعری کے کلاسیکی سرمائے کو بہت ڈوب کر پڑھا ہے۔

۲۸۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۲۹۔ عربی ادب کی کتب تاریخ میں یہ بات ملتی ہے کہ دیار حبیب پہ کھڑے ہو کر رونے کی ریت مشہور عرب شاعر امرؤالقیس نے

اسی طرح خورشید صاحب کی غزل کے مندرجہ ذیل شعر دیکھیے:

تسليت عن ليلى من الدهر حقبة　　لأطرد عني طيفها وخيالها

فما زادني الأيام إلا صبابة　　وما نقص الأيام إلا وصالها[۳۰]

(ایک لمبے عرصے تک میں نے لیلی کی شبیہ و خیال کو اپنے دماغ سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن (سب بے سود کیوں کہ) ماہ و سال نے میرے حوالے سے اگر کچھ بڑھایا ہے تو وہ لیلی کی تڑپ ہے اور کچھ کم کیا ہے تو وہ اس کا وصال ہے۔)

ان اشعار میں بھی کسی حد تک ہمیں **دیوان الحماسة** کے مندرجہ ذیل اشعار کی جھلک دکھائی دیتی ہے:

ما أحدث النأي المفرق بيننا　　سلوا ولا طول اجتماع تقاليا

ولا زادني الواشون إلا صبابة　　ولا كثرة الناهين إلا تماديا[۳۱]

ان اشعار کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

(ہمیں الگ کر دینے والی دوری نے نہ صبر پیدا کیا نہ لمبے عرصے کے وصال نے بغض۔ چغل خوروں نے میرے حوالے سے اگر کچھ بڑھایا ہے تو وہ محبوبہ کی تڑپ ہے اور منع کرنے والوں نے اگر کچھ بڑھایا ہے تو وہ محبت میں مزید سرگشتگی ہے۔)

وہ اپنے محبوب کے خدوخال کا نقشہ کچھ اس انداز میں کھینچتے ہیں:

لها شفة كالورد لونا ونكهة　　وثغر كمثل الأقحوانة باسم

وخد كمثل الصبح الأبيض فاقع　　وفرع كمثل الليل أسود فاحم[۳۲]

ڈالی۔ اس کا مشہور معلقہ اسی روایت سے شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ اسی کی شاعری سے ثبوت ملتا ہے کہ یہ ریت اس سے بھی پرانی ہے۔ خورشید رضوی، **عربی ادب قبل از اسلام**، ۲۲۲۔

۳۰- ہمدانی، **شعراء العربية في باكستان**، ۲۷۵۔ البتہ اس میں پہلے شعر میں "لیلی" کی بجائے "سلمی" مذکور ہے۔ جناب ڈاکٹر خورشید رضوی نے جو کلام راقم کو عطا فرمایا اس میں یہ شعر "لیلی" کے ساتھ درج ہے۔

۳۱- ابو تمام، **دیوان الحماسة**، ۲۴۷۔

۳۲- ہمدانی، **شعراء العربية في باكستان**، ۲۷۵۔

(اس کے لب خوشبو اور رنگ میں گلاب کی مانند ہیں اور اس کے متبسم دانت گل بابونہ کی مانند ہیں۔اور رخسار صبح کی مانند سفید ہیں اور بال رات کی مانند کالے سیاہ ہیں۔)

ایک اور غزل کچھ یوں ہے:

رنت کغزال خالص اللون شادن   سقيم الجفون فاتر اللحظات
فخلت فؤادي ذاب بين جوانحي   وكدت أشق الصدر بالزفرات
أليلاي إن أعرضت عني بعد ما   أصبت صميم القلب بالنظرات
فلا تحسبي أن النوى عزت الهوى   ولا أن طول الهجر رث صلاتي
فطيفک لا ينفک عني ساعة   ملأت علي يقظتي وسباتي[۳۳]

(اس نے ایک بے داغ غزال رعنا کی طرح چشم بیمار کی نیم نگاہی سے نگاہ ڈالی، تو مجھے لگا کہ میرا دل میرے پہلو میں پگھل گیا ہے اور قریب تھا کہ میں آہوں سے اپنے سینے کو شق کر ڈالوں۔ اے میری لیلی اگر تو نے تیر نگاہ سے میرے سویدائے قلب کو نشانہ بنالینے کے بعد مجھ سے منہ پھیر لیا، تو یہ نہ سمجھنا کہ دوری نے محبت کو مغلوب کر لیا ہے اور طویل جدائی نے تعلق خاطر کو کمزور کر دیا ہے کیوں کہ تیرا پیکر خیال لمحہ بھر کے لیے بھی مجھ سے اوجھل نہیں ہوتا۔ تو نے میرے عالم خواب اور عالم بیداری دونوں پر تسلط قائم کر لیا ہے۔)

حکمت

قلم نے ہمیشہ دنیا پر حکومت کی ہے۔ کسی فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

قلم گوید کہ من شاہ جہانم   قلم کش را بہ دولت می رسانم[۳۴]

(قلم نے کہا کہ میں اپنے جہاں کا بادشاہ ہوں اور قلم کاروں کو ابدی دولت سے نوازتا ہوں۔)

۳۳- یہ اشعار ڈاکٹر حامد اشرف ہمدانی کی کتاب **شعراء العربية في باكستان** میں بھی موجود ہیں (صفحہ نمبر:۲۷۵) البتہ ان میں پہلے شعر میں لفظ "دنت" چھپا ہے جب کہ درست "رنت" ہے۔اسی طرح تیسرا شعر "أليلاي" کے بجائے "أسلماي" سے شروع ہوتا ہے، اسی شعر کے پہلے مصرع میں لفظ "بعدها" چھپا ہے جب کہ درست "بعدما" ہے۔

۳۴- اس مشہور شعر کا شاعر نامعلوم ہے۔

اور یہ قلم ہی ہے جو اپنے ساتھ نباہ کرنے والے کو حیات جاوداں کا پروانہ جاری کرتا ہے۔ قلم کے ذریعے تحریر کی صورت میں علم کو محفوظ کر دینا نہ صرف علم کی حفاظت کا ذریعہ ہے، بلکہ صاحب کتاب کو بھی دائمی حیات بخشتا ہے۔ علم کو لکھ کر محفوظ کر لینے کی اہمیت کے بارے میں مختلف ادبا و شعرا نے اپنے اپنے انداز میں بات کی ہے۔ ایک عرب شاعر کا کہنا ہے:

يلوح الخط في القرطاس دهرا　　وكاتبه رميم في التراب(۳۵)

(لکھی ہوئی بات کاغذ پر ایک زمانے تک درخشاں رہتی ہے، جب کہ اس کا لکھنے والا مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہوتا ہے۔)

اسی مضمون کو خورشید صاحب نے اس انداز میں باندھا ہے۔

وأعلم أني هامة اليوم أو غد　　ولكنني أحيا حياة الأنامل

سيبقى الذي أودعته الطرس بعدما　　تصير ترابا في التراب مفاصلي(۳۶)

مجھے علم ہے کہ میری زندگی چند دن کی ہے۔ آج نہیں تو کل مجھے موت نے آلینا ہے۔ لیکن میں اپنی انگلیوں کی زندگی جیوں گا۔ جو کچھ میں نے صفحۂ قرطاس پر ثبت کر دیا ہے، باقی رہے گا جب کہ میں مٹی میں مل کر مٹی ہو چکا ہوں گا۔)(۳۷)

مدح

سعودیہ کے سابق فرماں روا مرحوم شاہ فیصل بن عبدالعزیز (۱۳۲۴- ۱۳۹۵ھ/۱۹۰۶- ۱۹۷۵ء) ایک مخلص اور نیک انساں تھے اور اپنے جرأت مندانہ فیصلوں کی بنا پر امت مسلمہ میں عزت اور قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ان سے بہت امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ صد افسوس کہ دشمنانِ اسلام نے

۳۵- اس زبان زد خاص و عام شعر کا خالق نامعلوم ہے۔

۳۶- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۳۷- پنجابی کے مشہور شاعر میاں محمد بخش (۱۸۳۰ء-۱۹۰۷ء) اپنی شاعری کے بارے میں فرماتے ہیں:

میں شوہدا مر خاک رلیساں جھل ہجر دی کانی　　جے رب سچے روشن کیتے رہسن سخن نشانی

(میں مسکین مر کر خاک میں مل جاؤں گا، اگر رب تعالی نے منظور فرمایا تو ہماری باتیں ہمیں زندہ رکھیں گی۔)

میاں محمد بخش، **سیف الملوک** (آزاد کشمیر: میرپور، میاں محمد بخش پبلک لائبریری، ۲۰۱۰ء)، ۲۵۔

انھیں زیادہ عرصہ زندہ نہ رہنے دیا۔ ۱۹۷۴ء میں دوسری عالمی سربراہی کانفرس کا انعقاد لاہور میں ہوا، جس میں مختلف اسلامی ممالک کے سربراہان نے شرکت کی۔ ان میں مرحوم شاہ فیصل بھی تھے۔ اس موقع پر خورشید صاحب نے شاہ فیصل کی شان میں کچھ مدحیہ اشعار کہے تھے جن میں سے یہ محفوظ ہیں۔ یہ اشعار مسلمانوں کی انھی امیدوں کا ایک پر تو ہیں۔

وإنک مرموق المکانة بیننا　　　کنجم منیر طالع بظلام
وزورقنا في ظلمة البحر تائه　　　وأنت منار للسلامة سام
تری الشعب یهتزون شوقا کأنما　　　بحار زخار في النفوس طوام
ووجهک مرسوم بعیني ومهجتي　　　یواجهني في یقظتي ومنامي (۳۸)

(آپ ہمارے درمیان اندھیرے میں طلوع ہونے والے روشن ستارے کی مانند بلند مقام و مرتبہ پر فائز ہیں اور ہماری کشتی سمندر کی تاریکی میں بھٹکتی پھر رہی ہے اور آپ سلامتی کے بلند و بالا روشن مینار ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہماری قوم آپ سے ملنے کے شوق میں سرمست ہے۔ گویا ان کے دل جذبات سے بھرے سمندر ہیں۔ آپ کا چہرہ میرے دل اور آنکھ میں یوں نقش ہے کہ وہ سوتے اور جاگتے میں ہر وقت میرے سامنے رہتا ہے۔)

سابق پرنسپل پوسٹ گریجویٹ کالج بھکر پروفیسر حافظ عبد اللہ (پیدائش:۱۹۳۸ء) بڑے نیک، شریف النفس اور قناعت پسند انسان ہیں۔ وہ اورینٹل کالج میں ایم اے کے زمانے میں خورشید صاحب کے ہم جماعت تھے۔ ۱۹۶۴ء میں ان کی مدح میں خورشید صاحب نے مندرجہ ذیل شعر کہے:

تراه رخي البال في الفقر والغنی　　　غنی النفس قد یغني الفتی وهو مفلس
تراه رقیق الحال لکن عرضه　　　نقي کماء المزن لا یتدنس (۳۹)

(اے مخاطب تو اسے غربت میں بھی خوش دل پاتا ہے اور تونگری تو دل کی تونگری ہے۔ کبھی انسان نادار ہونے کے باوجود مال دار ہوتا ہے۔ تو دیکھتا ہے کہ اس کے حالات تو ناساز گار ہیں، لیکن اس کی آبرو آسمان سے برسنے والے پانی کی مانند پاک صاف ہے جو آلودگی سے مبرا رہتا ہے۔)

۳۸- ہمدانی، **شعراء العربیة في باکستان**، ۲۷۶۔

۳۹- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

موت کا بیان

قس بن ساعدہ الأیادی (م ۶۰۰ء) دور جاہلیت کا مشہور خطیب اور فصاحت وبلاغت میں ضرب المثل ہے۔[۴۰] کہا جاتا ہے کہ تقریر کرتے وقت لاٹھی یا تلوار پر سہارا لینے کا رواج اسی نے ڈالا۔[۴۱] اس خطیب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ سوق عکاظ میں اسے تقریر کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے سنا۔ روایات میں آتا ہے کہ قبیلہ ایاد کا وفد جب اسلام قبول کرنے کی خاطر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان سے پوچھا تمھارا وہ خطیب کہاں ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ وہ تو فوت ہو چکا ہے۔ اس وقت زبان اقدس سے مندرجہ ذیل جملہ اس کے حق میں جاری ہوا: "یرحم الله قسا! إني لأرجو أن یبعث یوم القیامة أمة واحدة"[۴۲] (اللہ قس پر رحم فرمائے۔ مجھے امید ہے کہ وہ اکیلا ہی قیامت کے روز ایک پوری امت کے طور پر اٹھایا جائے گا۔)

کتب تاریخ میں اس کا ایک خطبہ محفوظ ہے جس کا موضوع موت ہے۔ وہ اس میں مختلف مظاہر فطرت کا ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ موت نے کسی جان دار کو نہیں چھوڑا۔ زندگی خود موت کا سبب ہے۔ جو پیدا ہوا وہ مرا اور جو مرا وہ پھر ہاتھ نہ آیا۔ بڑے بڑے جابر اور طاقت ور بادشاہ جو ہم سے زیادہ مال ودولت اور رعب داب والے تھے موت کے شکنجے سے نہ بچ سکے۔ پھر اس نے مندرجہ ذیل شعر کہے:

في الذاهبین الأولیـ ـن من القرون لنا بصائر
لما رأیت مواردا للموت لیس لها مصادر
ورأیت قومي نحوها تمضي الأكابر والأصاغر
لا یرجع الماضي إلـ ـي ولا من الباقین غابر

۴۰- چناں چہ کہا جاتا ہے "أبلغ من قس" (قس سے بڑھ کر بلیغ)، "أخطب من قس" (قس سے بھی بڑا خطیب) اور "أبین من قس" (قس سے بھی زیادہ صاحب بیان)۔

۴۱- ابو الفرج ابو علی بن الحسین الاصفہانی (۲۸۴ھ-۳۵۶ھ/۸۹۷ء-۹۶۷ء)، **كتاب الأغاني**، تحقیق، احسان عباس ودیگر (بیروت: دار صادر، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء) ۱۵: ۱۶۴۔

۴۲- نفس مصدر، ۱۵: ۱۶۵۔

أيقنت أني لا محا لة حيث صار القوم صائر[۴۳]

(اگلے وقتوں کی نسلوں کے گذرے ہوئے لوگوں میں ہمارے لیے سامان عبرت ہے۔جب میں نے موت کے ایسے گھاٹ دیکھے جن تک آنے کے راستے تو کھلے ہیں لیکن واپسی کی راہیں مسدود ہیں۔اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے سب چھوٹے بڑے انھی گھاٹوں کی طرف رواں دواں ہیں۔جو چلا گیا وہ لوٹ کر میری طرف نہیں آتا اور جو باقی ہیں وہ بھی باقی نہیں رہتے، تو مجھے یقین ہو گیا کہ جس ٹھکانے کو یہ سب پہنچے ہیں وہیں لا محالہ میں بھی پہنچنے والا ہوں۔)[۴۴]

قس بن ساعدہ کے اس خطبے اور اشعار کو ذہن میں رکھ کر خورشید صاحب کے موت کی بابت درج ذیل اشعار پڑھیں تو ان میں اس خطبے اور اشعار کی صدا سنائی دیتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ شاعر نے جب یہ شعر کہے تو اس کے ذہن کے نہاں خانوں میں یقیناً یہ اشعار اور خطبہ موجود تھا۔

يا أيها الإنسان لا يغررك حلو العيش كلا

هلا اعتبرت بمن مضى في غابر الأزمان، هلا

أفما رأيت الموت سيفا فوق رأس الحي سلا

روى الزمان من الملو ك دمائهم نهلا وعلا

تغتر بالأمل النفو س ومن حصيف الرأي ألا[۴۵]

(اے انسان! تجھے ہرگز زندگی کی مٹھاس دھوکے میں نہ ڈالنے پائے۔ اگلے زمانوں میں جو لوگ چلے گئے کیا تو نے ان سے کچھ عبرت حاصل نہیں کی۔کیا تو نے نہیں دیکھا کہ موت نے ہر زندہ کے سر پر تلوار سونت رکھی ہے۔زمانے نے بادشاہوں (تک کو نہیں چھوڑا۔اس نے ان) کے خون سے اپنی پیاس پے بہ پے بجھائی ہے۔ طبیعتیں امیدوں سے دھوکہ کھاتی ہیں، حالاں کہ پختگیِ عقل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس دھوکے میں نہ آئیں۔)

۴۳- ابو العباس احمد القلقشندی (۷۵۶ھ-۸۲۱ھ/۱۳۵۵ء-۱۴۱۸ء)، **صبح الأعشى** (قاہرہ: دار الكتب المصرية، ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء)،ا: ۲۱۲۔

۴۴- ترجمہ از خورشید رضوی، **عربی ادب قبل از اسلام**،ا: ۲۰۴۔

۴۵- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

فخر

خورشید صاحب نے اردو میں کہا تھا:

مجھ کو دیکھا، نہ کسی نے مجھے جانا خورشید	مجھ سے محروم رہا میرا زمانہ خورشید[۴۶]

اسی کی بازگشت ہمیں ان کے درج ذیل عربی شعر میں سنائی دیتی ہے۔

قد قضيت الحياة منحني الظهـ	ـر كمثل العملاق في الأقزام[۴۷]

(میں نے اپنی عمر کمر جھکائے جھکائے یوں گذاری ہے جیسے بونوں کے درمیان دیو۔)

امت مسلمہ کا غم

امت مسلمہ کو اس کے بانی صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جسد واحد سے تشبیہ دی تھی اور فرمایا تھا کہ سب مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں۔ کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہو تو باقی تمام اعضا اس دکھ کو محسوس کرتے ہیں اور اعضا شکنی اور بے خوابی کا شکار رہتے ہیں۔[۴۸] ہر کوئی دوسرے کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتا ہے اور اس میں شریک ہوتا ہے۔

لیکن اب اسی امت مرحومہ کا المیہ ہے کہ اس کے افراد میں یہ جذبہ ناپید ہو چکا ہے۔ کسی کو کسی کی پرواہ نہیں۔ کسی کے دل میں اس کے لیے درد نہیں۔ کشمیر ہو فلسطین ہو کہ برما۔ ہر طرف خون مسلم بہہ رہا ہے لیکن اسے دیکھ کر کسی کا خون جوش نہیں مارتا۔ تلوار تو دور کسی کی زبان اور قلم بھی حرکت میں نہیں آتا۔ کوئی ان مسلمانوں کے غم والم کو اپنا غم والم نہیں سمجھتا۔ ہر طرف نفسا نفسی ہے۔ ہر کوئی عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا اور اپنے من میں مگن ہے۔ کیا ادبا کیا شعرا کسی کو امت مسلمہ کی فکر نہیں۔ ہمارا شاعر جب مسلمانوں کا یہ حال دیکھتا ہے تو اس کا دل دکھتا ہے۔ وہ خون کے آنسو روتا ہے اور اس کا قلم درج ذیل دکھ بھری نظم رقم کرتا ہے جس کا عنوان ہے: "دموع

۴۶۔ خورشید رضوی، **امکان** (لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء)، ۱۰۳۔

۴۷۔ غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

۴۸۔ عربی متن: مثل المؤمنين في تراحمهم وتوادهم وتواصلهم كمثل الجسد، إذا اشتكى عضو منه تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى۔ ابو بکر احمد بن الحسین البیهقي (۳۸۴ھ-۴۵۸ھ)، **شعب الإيمان**، تحقیق، ابوهاجر محمد السعید بن بسیونی زغلول (بیروت: دار الكتب العلمية، اشاعت اول ۱۴۲۱ھ / ۲۰۰۰ء)، ۶: ۴۸۱، رقم: ۸۹۸۵۔

على الأمة الإسلامية" (امت اسلامیہ پر چند اشک)

أبكي ولا أجد الملاذ

سوى الملاذ بعبرتي

أبكي شجي القلب

والإخوان ملتفون حول نفوسهم كالحية

ما بينهم أحد يجود لمن سواه بنظرة

وقريحة الشعراء

لا تسخو بغير الشهوة

وسجية الأدباء في لهو

وفي لعب، رهينة نشوة

وطبيعة الأمراء للضعفاء

تقبل دائما بخشونة وبقسوة

وإذا بلوا بالأقوياء

فهم على أذقانهم للقوة

ما بينهم أحد يحن لأمتي

ما أمتي

هي منذ نشإ الكون حلم الأنبياء

هي درة عبر القرون

تلوح رمزا للضياء

ولدى القلوب، بذكرها

تندى عروق الكبرياء

ما أمتي

بحر يعم عبابه شتى الشعوب

مزجت فلا عُرب ولا عجم لديها

لا شمال ولا جنوب

فالفخر بالأنساب والألوان والأقطار

شيء في شريعتها

يعد من الذنوب

أبكي لهذي الأمة[۴۹]

(میں رو رہا ہوں مگر مجھے کوئی جاے پناہ نظر نہیں آتی، سوائے اپنے آنسوؤں کی پناہ گاہ کے۔ میں دکھی دل کے ساتھ رو رہا ہوں اور میرے بھائی اپنی ہی ذاتوں کے گرد سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے سوا کسی اور پر نظر ڈالنے کا روادار ہو۔ شعرا کی طبیعت خواہش نفس سے ہٹ کر رواں ہی نہیں ہوتی اور یہی حال ادبا کی طبیعت کا ہے کہ وہ بھی لہو ولعب کے نشے میں سرشار ہے۔ اور امرا کی طبیعت کمزوروں پر ہمیشہ سختی اور خشونت کا مظاہرہ کرتی ہے، مگر جب ان کا پالا طاقت وروں سے پڑتا ہے تو وہ طاقت کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں جو میری قوم کے لیے تڑپ رکھتا ہو۔ میری قوم کیا ہے؟ جب سے کائنات تخلیق ہوئی ہے وہ انبیا کا خواب ہے۔ وہ ایک ایسا موتی ہے جو صدیوں سے روشنی کی علامت بن کر چمک رہا ہے اور اس کے ذکر پر دلوں میں خودی کی نسوں میں نم دوڑ جاتا ہے۔ میری قوم کیا ہے؟ ایک سمندر ہے جس کی موج مختلف اقوام کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کے سبب وہ اس طرح آپس میں مل گئے ہیں کہ اب ان میں عرب و عجم کا کوئی فرق نہیں رہا۔ نہ کوئی شمال ہے نہ کوئی جنوب، کہ رنگ و نسل اور علاقائیت پر فخر کرنا۔ اس کی شریعت میں گناہوں میں شمار ہوتا ہے۔ میں اس قوم کی خاطر روتا ہوں۔)

رزمیہ ترانے

خورشید صاحب کا اورینٹل کالج میں تعلیم کا زمانہ ۱۹۵۹ء تا ۱۹۶۱ء ہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی

۴۹- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

زبان وادب کے استاد پروفیسر عبدالقیوم صاحب (م۱۹۸۹ء) ان دنوں اورینٹل کالج میں وزیٹنگ پروفیسر کے طور پر پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تھے، انھوں نے خورشید صاحب کو ایک روز کالج کے لان میں بتایا کہ وہ کچھ تعلیمی نصابات مرتب کررہے ہیں اور خورشید صاحب سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ عربی میں قومی ترانہ لکھیں۔ وہ اس ترانے کو نصاب میں شامل کردیں گے۔[۵۰] خورشید صاحب نے ان کی فرمائش پر مندرجہ ذیل ترانہ نظم کیا:

معالجون بالسيوف داء شدة المحن

ألا ألا فإننا بناء معشر حسن
مدافعون في الوغى عن الديار والوطن
ومولعون بالنشا ط كارهون للوهن
وغير جازعين قـــ ــط من حوادث الزمن
معالجون بالسيو ف داء شدة المحن
على السماء خافق هلال رأية لنا
ونجمة لها كأنـــ ـجم السماء في السنا
ونحن طاعنون عنـــ ـــهما الكسوف بالقنا
حَذار من سلاحنا لـــديهما فإنـــــــــا
معالجون بالسيو ف داء شدة المحن
من الكرام أهلنا فنحن وارثوا الكرم
وجوهنـــــا منيـــرة كما النجوم في الظلم
نفوسنـــــا حـــريصة على مكارم الشيم
أونحن في الخطوب كالـــ جبال ثابتوا القدم

۵۰- خورشید رضوی، **بازدید**، ۷۴۔

معاجون بالسيو ف داء شدة المحن [۵۱]

ہم تلواروں سے مشکلات کی شدت کا مقابلہ کرتے ہیں

(یادرہے کہ ہم ایک صالح معاشرہ کی بنیاد ہیں۔ جنگ میں ہم اپنے شہروں اور وطن کا دفاع کرنے والے ہیں؛ اور ہم تحرک کے شیدائی اور سستی کو ناپسند کرنے والے ہیں، اور زمانے کے حوادث سے کبھی بھی گھبرانے والے نہیں ہیں، اور ہم تلواروں سے مشکلات کی شدت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہمارے پرچم کا چاند آسمان پر لہلہا رہا ہے، اور اس کا ستارہ آب وتاب میں آسمان کے تاروں کی مانند ہے، اور ہم نیزوں کے ذریعے اس چاند ستارے کو گہن سے بچاتے ہیں۔ ان کی حفاظت میں ہمارے ہتھیاروں سے بچ کر رہنا کہ، ہم تلواروں سے مشکلات کی شدت کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہمارا خاندان اہل کرم کا خاندان ہے اور ہم اس کرم کے وارث ہیں۔ ہمارے چہرے ایسے روشن ہیں جیسے اندھیروں میں ستارے۔ ہماری طبیعتیں قابل فخر خصلتوں کی شیدائی ہیں، اور ہم آزمائشوں میں پہاڑوں کی مانند ثابت قدم رہتے ہیں۔ ہم تلواروں سے مشکلات کی شدت کا مقابلہ کرتے ہیں۔)

۱۹۷۹ء کے اواخر میں روس نے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کی خاطر ہمسایہ ملک افغانستان پر حملہ کر دیا اور اپنی افواج افغانستان میں اتار دیں۔ جس پر عالم اسلام میں غم وغصے کی لہر دوڑ گئی۔ مجاہدین اسلام مختلف ممالک خاص طور پر وطن عزیز پاکستان سے جا جا کر اس جنگ میں شریک ہوئے۔ ان مجاہدین کا لہو گرمانے اور ان کا حوصلہ جواں رکھنے کی خاطر مختلف عرب اور پاکستانی شعرا نے جنگی ترانے لکھے۔ اسی سلسلے میں بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے زیر اہتمام ۱۹۸۶ء میں ایک مشاعرہ بعنوان: ”مهرجان شعري في قضية أفغانستان“ کا اہتمام کیا گیا۔ اس مشاعرے کے روح رواں مشہور مصری ادیب اور بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے استاد ڈاکٹر جابر قمیحہ (۱۹۳۴ء۔۲۰۱۲ء) تھے۔ انھوں نے خورشید صاحب سے بھی اس سلسلے میں شعر لکھنے کی درخواست کی؛ چناں چہ خورشید صاحب نے درج ذیل نظم اس مشاعرے میں پڑھی:

أإخوتنا الأفغان فيكم بسالة وفي دار أهل الكفر منها زلازل
رددتم ببأس كيدهم في نحورهم ولم تخضعوا للخطب والخطب هائل
أقمتم بضرب السيف زيغ قلوبهم وبالسيف ترتاض النفوس الموائل

۵۱- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

يهابونكم رغم الهزال بدا بكم — وتخشى الكلاب الليث والليث ناحل
أباة كماة لا تفل سلاحكم — حوادث دهر خائن وغوائل
إذا مسكم جهد البلاء تناثرت — بقلبي أمان كالزهور ذوابل
وفيكم خصال للمديح كثيرة — وما عندنا إلا قواف قلائل
وتدعو لكم عن ظهر غيب مودة — شعوب تناجي ربها وقبائل
سيغمركم في الحرب فوز ونصرة — فتعلونهم لن يغلب الحق باطل(۵۲)

(اے ہمارے افغان بھائیو! تم میں زبردست شجاعت پائی جاتی ہے اور اہل کفر کے گھر میں اس سے زلزلے برپا ہیں۔ تم نے بزور ان کی چالوں کو انھی پر لوٹا دیا اور مشکل حالات کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا، حالاں کہ حالات بڑے سنگین تھے۔ تم نے تلوار کی ضرب سے ان کے دلوں کی کجی کو درست کیا اور ٹیڑھی طبیعتیں تلوار ہی سے سیدھی ہوتی ہیں۔ اگرچہ تم نحیف ہو لیکن وہ تم سے خوف کھاتے ہیں اور کتے شیر سے ڈرا ہی کرتے ہیں، چاہے شیر نحیف ونزار ہی کیوں نہ ہو۔ تم ایسے خود دار جنگ جو ہو کہ تمھارے ہتھیاروں کو زمانے کے حوادث ومصائب کند نہیں کرسکتے۔ جب تم مبتلائے آزمائش ہوتے ہو تو میرے دل میں پھولوں جیسی آرزوئیں مرجھا کر بکھرنے لگتی ہیں۔ تم میں لائق تعریف صفات بکثرت پائی جاتی ہیں اور ہمارے پاس تھوڑی سی قافیہ پیمائی کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ دور بیٹھے ہوئے کتنے ہی قبائل واقوام از روے محبت اپنے رب کے حضور گڑگڑا کر تمھارے لیے دعا گو ہیں۔ اس جنگ میں بہت جلد کامیابی وکامرانی کی گھٹا تم پر چھا جائے گی؛ اور تم ان پر غالب آؤ گے باطل ہرگز حق کو مغلوب نہیں کر سکے گا۔)

اس نظم کو عرب اساتذہ نے بہت سراہا خاص طور پر درج ذیل شعر بہت پسند کیا گیا:

يهابونكم رغم الهزال بدا بكم — وتخشى الكلاب الليث والليث ناحل

۵۲- احمد ادریس، **الأدب العربي في شبه القارة الهندية حتى أواخر القرن العشرين** (الهرم: عين للدراسات والبحوث الإنسانية والاجتماعية، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۸ء)،۳۶؛ اس نظم میں سے پانچ اشعار کو عمر فاروق نے بہاول پور سے چھپنے والے مجلہ **کارواں** میں ذکر کیا ہے دیکھیے: عمر فاروق، "خورشید رضوی کی دو عربی نظمیں"، **کارواں**، بہاول پور، ۳۹: ۲۲-۲۳ (اپریل تا ستمبر، ۲۰۱۰ء)، ۷۴-۷۷۔ معلوم نہیں کس وجہ سے انھوں نے شعر نمبر ا اور شعر نمبر ۵ ذکر نہیں کیے۔

یہ شعر خورشید صاحب سے اس محفل میں بار بار سنا گیا۔ اور بہت عرصے تک عربوں کے ذہنوں میں محفوظ رہا۔

رات کی منظر نگاری

رات کی منظر کشی شاعری کا اہم موضوع ہے جسے عرب شعرا نے ہمیشہ اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ البتہ شعرا کی اکثریت نے شب فراق کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کی طوالت کی شکایت کی ہے۔ مشہور عرب شاعر امرؤالقیس (۵۲۰۔۵۶۵ء) رات کا نقشہ کچھ یوں کھینچتا ہے:

وليل كموج البحر أرخى سدوله　　علي بأنواع الهموم ليبتلي
فقلت له لما تمطى بصلبه　　وأردف أعجازا وناء بكلكل
ألا أيها الليل الطويل ألا انجل　　بصبح وما الإصباح منك بأمثل
فيا لک من ليل كأن نجومه　　بأمراس كتان إلى صم جندل[۵۳]

(بعض راتیں (اپنی تاریکی میں) سمندر کی موج کی مانند تھیں کہ جنھوں نے مختلف اقسام کے غموں کے ساتھ اپنے پردے مجھ پر ڈال دیے تاکہ مجھے آزمائیں۔ رات کی طوالت جب بہت زیادہ ہوگئی اور اس کی ابتدا وانتہا کے مابین فاصلہ حد سے بڑھ گیا تو میں نے اس سے کہا: اے لمبی رات تو چھٹ جا اور صبح ہونے دے لیکن صبح بھی کون سی تجھ سے بہتر ہوگی۔ اتنی لمبی رات کہ یوں لگتا تھا جیسے اس کے ستارے بھاری پتھروں کے ساتھ مضبوط رسیوں سے باندھ دیے گئے ہیں۔)

دور عباسی کا مشہور عرب شاعر بشار بن برد (۹۶ھ ۔ ۱۶۸ھ) اسی رات کی سنگینی کا رونا روتے ہوئے کہتا ہے:

خليليّ ما بال الدجى لا تزحزح　　وما لعمود الصبح لا يتوضح
أضل النهار المستنير طريقه　　أم الدهر ليل كله ليس يبرح[۵۴]

۵۳- ابن عبداللہ الحسین بن احمد بن الحسین الزوزنی (۴۸۶ھ)، **شرح المعلقات السبع** (بیروت: دار الكتب العلمية، ۲۰۰۵ء/۱۴۲۶ھ)، ۲۲- ۲۴۔

۵۴- ابو اسحاق ابراہیم بن علی الحصری القیروانی (۴۵۳ھ)، **زهر الآداب وثمر الألباب**، تحقیق، یوسف علی طویل (بیروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء)، ۲: ۱۴۳۔

(اے میرے دونو دوستو! یہ اندھیرے کو کیا ہوا کہ چھٹتا ہی نہیں۔ اور صبح کو کیا ہوا کہ طلوع ہوتی ہی نہیں۔ کیا روشن دن اپنا رستہ کھو بیٹھا ہے یا زمانہ نام ہی رات کا ہے جسے چھٹنا ہی نہیں۔)

ان کے برعکس بعض دوسرے شعرا کو رات بہت محبوب ہے کیوں کہ وہ ایسی مخلص اور غم خوار ساتھی ہے جو ان کے غم والم سے بھی آگاہ ہے اور ان کے رت جگوں سے بھی۔ دور جدید کے یمنی شاعر عبداللہ عبدالوہاب نعمان (۱۹۱۷ء۔ ۱۹۸۲ء) رات کو ایک ایسا ہم سفر قرار دیتے ہیں جو ہمارا مونس و غم خوار ہے۔ ہمارے ہر دکھ کو سمجھتا ہے اور اس میں شریک ہے:

الليل والنجم وهمس النسيم — يصغي لأناتي وشوقي الأليم

وكلما حولي بحبي عليم — إلا الذي قلبي بحبه يهيم(۵۵)

(رات، ستارے اور ٹھنڈی سبک رو ہوا سب میرے دکھوں اور درد بھری آہوں کو بڑے دھیان سے سنتے ہیں۔)

الغرض میرے ارد گرد جو کچھ بھی ہے میری محبت سے آگاہ ہے سوائے اس محبوب کے کہ جس کی محبت میں میرا دل حیران و سرگردان ہے۔ بقول شاعر:

جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ہمارا شاعر بھی رات کی خوب صورتی میں گم ہے۔ اسے کسی محبوب اور رات میں بہت سے مماثل پہلو دکھائی دیتے ہیں۔ وہ رات کو دل ربا، خوبرو اور شیریں ادا محبوب سے تشبیہ دیتا ہے۔ اندھیرے میں دمکتا ستارہ اسے محبوب کی روشن آنکھ، دو ستاروں کے درمیان کا فاصلہ محبوب کی گردن جب کہ ماہ کامل اس خوبرو کے چہرے کی یاد دلاتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے ایک نظم "الجمال المنسي" (حسن فراموش) کے نام سے منظوم کی ہے:

الجمال المنسي

نجمة في الأفق كالزئبق ترنو

عبر أعصر

عين من في هذه النجمة تحلو

۵۵- دیکھیے شاعر کا انٹرنٹ پر صفحہ: عبداللہ عبدالوہاب النعمان، همس النسيم.

http://www.alfudhool.com/04_1.asp?id=62_(01-12-2017).

لست أذكر

نجمة أخرى كمثل القرط في أذن السماء

تتألق

جِيد مَن، من تحت هذا القرط، في رحب الفضاء

يترقرق

وجبين البدر، كالدينار، من خلف التلال

يتطلع

وجه من كالبدر في ستر الخيال

يتقنع

إنما الليل حبيب حل فينا

فاتن، حلو الشمائل

في بهاء وجمال قد نسينا

فهو منبث المخايل(۵۶)

حسن فراموش

(افق پر سیماب وار، ایک ستارہ زمانوں کے پار تک رہا ہے۔ کس کی آنکھ اس ستارے میں دامن کشِ دل ہے؟ کچھ یاد نہیں آتا۔ ایک اور ستارہ گوشِ آسمان میں گوشوارے کی طرح آویزاں ہے۔ اس گوشوارے کے نیچے فضا کی وسعتوں میں کس کی گردن دمک رہی ہے؟ ماہ کامل کی پیشانی دینار کی طرح (رخشاں) ٹیلوں کے پیچھے سے طلوع ہو رہی ہے۔ ماہ کامل جیسا کس کا چہرہ پردۂ خیال میں منہ چھپا رہا ہے؟ یوں کہو کہ رات ایک محبوب ہے جس نے ہمارے ہاں پڑاؤ ڈالا ہے۔ دل رُبا، شیریں ادا۔ ایسی آب و تاب اور حسن و جمال کے ساتھ جسے ہم بھول چکے ہیں۔ سو اُس کے خد و خال بکھر گئے ہیں۔)

۵۶– *احمد ادریس*، **الأدب العربي في شبه القارة الهندية حتى أواخر القرن العشرين**، ۳۶–۳۷۔ اس نظم کو عمر فاروق نے مجلہ **کارواں** میں ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے: عمر فاروق، ''خورشید رضوی کی دو عربی نظمیں''، ۷۲–۷۴۔)

خودکلامی وخودشناسی

آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی پہچان کی کوشش کرنا، خود سے ہم کلام ہونا، اپنے آپ سے باتیں کرنا، اور حیرت وحسرت کا اظہار کرنا، یہ روایت ہمیں مختلف عرب اور اردو شعرا کے ہاں ملتی ہے مثلا ایک عرب شاعر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بالوں میں چاندی دیکھتا ہے تو کہتا ہے:

ولما رأيت الشيب لاح بياضه بمفرق رأسي قلت للشيب مرحبا[۵۷]

(جب میں نے اپنے سر کی مانگ میں بڑھاپے کی سفیدی کو دیکھا تو میں نے بڑھاپے سے کہا خوش آمدید۔)

ہمارا شاعر جب خود کو آئینے میں دیکھتا ہے اور اسے نظر آتا ہے کہ بڑھاپے کی برف سر پہ اترنے لگی ہے تو وہ اپنے احساسات کا اظہار کچھ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

پیشِ آئینہ لبھاتا ہے بڑھاپے کا وقار ہم نہیں کہتے کہ افسوس جوانی افسوس[۵۸]

وہ اپنی حسرت وحیرت کو الفاظ کا جامہ کچھ اس انداز میں پہناتا ہے:

أما م المرآة

يا شبيهي يا مثيلي

حطم السور الذي يفصلنا

سور الزجاج

کی يتم الاندماج

يا شبيهي أنت من؟

هل أنت ظلي

أم ولدنا توأمين

أين منزلک مني

۵۷۔ ابو تمام، **دیوان الحماسة**، ۳۹۱۔

۵۸۔ خورشید رضوی، **دیریاب** (لاہور: القا پبلیکیشنز، ۲۰۱۳ء)، ۱۳۔

أين أين؟

يا شبيهي أنت مني

فإذا زلت تموت

يا مثيلي لست منك

فإذا غبت بقيت

بيننا سر من الأسرار

مكنون غريب

يا له من لغز

جد عجيب(۵۹)

آئینے کے سامنے

(اے مرے ہم شکل، اے مرے مثیل، اس فصیل کو، شیشے کی فصیل کو، جو ہمیں الگ کرتی ہے۔ چکنا چور کر دے، تاکہ ہم کامل طور پر یک جا ہو سکیں۔

اے مرے ہم شکل۔ تو کون ہے؟ کیا تو میرا سایہ ہے؟ یا ہم جڑواں پیدا ہوئے ہیں؟ میرے وجود میں تیری نشست کہاں ہے؟ کہاں کس طرف؟ اے میرے ہم شکل۔ تو مجھ سے ہے۔ میں ہٹ جاؤں تو تو مر جاتا ہے۔ اے میرے مثیل۔ میں تجھ سے نہیں ہوں۔ تو غائب ہو جائے میں تب بھی باقی رہتا ہوں۔ ہمارے درمیان ایک راز ہے۔ پوشیدہ انوکھا۔ آہ یہ کیسی پہیلی ہے۔ از حد عجیب۔)

خورشید رضوی کی عربی شاعری کے یہ چند نمونے ہیں جو ہمیں مل سکے ہیں۔ ان میں سے بیش تر پہلی بار منظر عام پر آ رہے ہیں۔ یہ آزاد اور پابند دونوں صورتوں میں خورشید صاحب کی قدرتِ کلام کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈالنے سے اس تنوع کا پتا چلتا ہے جو ان کے مضامین میں ہے، اور اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ہمارا شاعر دوسرے پاکستانی شعرا کی طرح صرف دینی و تعلیمی موضوعات تک محدود نہیں ہے، بلکہ وہ بیش تر مروجہ شعری اصناف میں عربی میں شاعری کی قدرت رکھتا ہے۔ اے کاش! اگر ہمارے شاعر کو موزوں حالات ملتے،

۵۹- غیر مطبوعہ عربی کلام (جمع کنندہ راقم الحروف)۔

پاکستانی معاشرے میں عربی شاعری کو سمجھنے والوں کی معتد بہ تعداد پائی جاتی تو یقیناً عربی کی یہ مئے خوش رنگ چند نظموں تک محدود نہ رہتی بلکہ پیمانے سے باہر دمکتی، شاعر کی چشم گریاں میں جھلکنے والا غمِ دل چھلک چھلک کر رنگا رنگ تمثالوں کا روپ دھارتا، اسے اپنا وفورِ تخلیق مختلف شعری مجموعوں کی شکل میں جمع کرنا پڑتا۔ اور آج ہم یہ چند عربی نظمیں پیش کرنے کے بجائے ان شعری مجموعوں میں سے کسی ایک پر گفت گو کر رہے ہوتے۔

مئے پنہاں کبھی پیمانے سے باہر بھی دمک   اے غم دل! کبھی آنکھوں میں بھی ایک آدھ جھلک
ہے تہِ دل میں کہیں ریزۂ الماس ابھی   چشم گریاں سے کہو اور چھلک اور چھلک[۶۰]

۞۞۞۞۞

۶۰-   خورشید رضوی، **امکان**، ۲۷- ۲۸۔